© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.107, 2017 pp 51 - 68

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، اپریل۔جون ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۷

داؤد رہبر......مردِ سوز و ساز

ڈاکٹر آصف حمید☆

Abstract:

Dr. Dawood Rahbar and his father Dr. Sheikh Muhammad Iqbal are renowned personalities in the world of literature. The extract of personal life and other informations are taken from Dawood Rahber's letters. These letters are present in different volumes of "Salam o Payam". The literary thoughts and works of Dawood Rahber are excellently collected and their literary style is mentioned in the end.

داؤد رہبر نے اپنے خطوط کا مجموعہ ''سلام و پیام'' سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے ۱۹۹۶ء میں شائع کروایا جو اگرچہ پہلی جلد ہے مگر ناشر نے اسے پہلی جلد ظاہر نہیں کیا۔

فہرست مشمولات میں ''یک الف بیش نہیں''، ''کبیرے کا پنچھی''، ''دیباچہ''، ''مکتوب الیہم کا تعارف'' اور ۹۶ مکتوب الیہم کے اسماء درج ہیں۔ ''ریٹائر ہونے کے بعد فلورڈا سے لکھے ہوئے متفرق خطوط'' اور ''تتمہ'' ان کے علاوہ ہیں۔

''یک الف بیش نہیں'' میں اعجاز حسین بٹالوی نے داؤد رہبر کے لاہور میں گزرے دنوں کو یاد کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل اور عربی و فارسی کے نامور عالم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کے بیٹے ہیں۔ ''حلقۂ اربابِ ذوق'' کے اجلاس میں ایک زمانے میں ہفتہ وار آتے تھے اور منفرد مضامین بھی ''ادبی دنیا'' میں لکھتے رہے۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کرنے گئے تو وطنِ عزیز ہمیشہ کے لیے ان سے دور ہو گیا۔ انھوں نے انگلستان، ترکی، کینیڈا اور امریکی یونیورسٹیوں میں طویل عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اہل وطن سے قربت کا احساس برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے تواتر سے خطوط نویسی کی۔ اور خوش قسمتی سے ہر خط کی ایک کاپی اپنے پاس بھی محفوظ رکھنے لگے۔ جس کا بہترین فائدہ انھوں نے زیرِ نظر مجموعہ ترتیب دیتے ہوئے اٹھایا۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن افضل پور۔ میرپور آزاد کشمیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''کبیرے کا پنچھی'' میں معروف ٹی وی کمپیئر ضیا محی الدین نے بہت دلکش پیرائے میں اپنے بچپن کی یادوں کی آمیزش سے داؤد رہبر کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کیا ہے۔''دیباچہ'' میں داؤد رہبر بتاتے ہیں کہ ۱۹۵۹ء میں امریکہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد انھوں نے دوست احباب سے خطوں کے ذریعے رابطہ رکھا، جن میں انشا پردازی مقصد نہ تھا۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ زیرِ نظر مجموعے میں وہی خطوط شامل ہیں جو انھیں اچھے لگے۔باقی ردی کی ٹوکری میں جا پڑے ہیں۔

''مکتوب الیہم کا تعارف'' میں ۸۶ مکتوب الیہم کا مختصر ترین لفظوں میں تعارف کرایا گیا ہے۔

اس جلد میں شامل ۵۲۶ خطوط بغیر کسی کلیے قاعدے کے شخصیت وار جمع کیے گئے ہیں۔نہ تو عمر و مرتبہ کی بنیاد پر کسی مکتوب الیہ کو اولیت دی گئی ہے نہ الف بائی ترتیب مدنظر ہے۔پھر ہر مکتوب الیہ کے نام خطوط، تاریخ وار جمع کرنے کی کاوش میں بھی مرتب کو کہیں کہیں ناکامی ہوئی ہے۔جو خطوط ایک سے زائد بار شامل ہوئے ان میں کرنل بشیر حسین زیدی(۱)، سہیل صفدر(۲)، محمد ایوب (۳) کے نام ایک ایک خط ہے۔ڈاکٹر آصف فرخی اور اعجاز حسین بٹالوی کے نام دو منظوم خطوں کو بھی گنا جائے تو مجموعے میں شامل خطوط کی کل تعداد ۵۲۸ تک جا پہنچتی ہے۔

اس جلد میں قدیم ترین خط ۱۷رجنوری ۱۹۶۱ء کا ہے جس کے مکتوب الیہ مشفق خواجہ ہیں۔جبکہ تازہ ترین ۵رفروری ۱۹۹۶ء کو لکھا گیا جسے ''تتمہ'' میں جگہ ملی ہے اور جو اعجاز حسین بٹالوی کے نام ہے۔واضح رہے کہ اس جلد میں کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جن پر تاریخ تحریر درج نہیں۔

سلام و پیام کی دوسری جلد ۲۰۰۴ء میں منظر عام پر آئی۔اس کے ''دیباچہ'' میں داؤد رہبر بتاتے ہیں کہ پہلی جلد کی اشاعت کے بعد ان کے بہت قریبی احباب میں آغا بابر اور حمید نسیم جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے۔پھر اپنے شعری کلیات کے طبع ہونے سے متعلق تفصیلات بیان کیں اور آخر میں ضمیمہ میں موجود خطوں کے بارے میں لکھا کہ مولانا صلاح الدین احمد اور مشفق خواجہ کو لکھے گئے یہ خطوط چالیس پچاس برس قدیم ہیں۔

''مکتوب الیہم کا تعارف'' میں ۱۹ نئے اور نسبتاً کم معروف مکتوب الیہم کا سرسری تعارف ہے۔

جبکہ مکتوب الیہم کی کل تعداد ۶۷ ہے۔اس جلد میں داؤد رہبر کے ۵۱۷ خطوط یکجا ہیں۔ان میں سب سے قدیم خط ۲۶رستمبر ۱۹۵۴ء کا ہے جو مولانا صلاح الدین احمد کے نام ہے جبکہ تازہ ترین خط ۱۰رجنوری ۲۰۰۳ء کو لکھا گیا جس کے مکتوب الیہ چودھری نیاز احمد ہیں۔

سلام و پیام کی تیسری جلد ۲۰۰۹ء کو منظر عام پر آئی۔اسے بھی پہلی دو جلدوں کی طرح سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور نے چھاپا۔اس جلد کے ''دیباچہ'' کا آغاز نظم کی صورت میں ہے۔جس میں داؤد رہبر نے اپنی مکتوب نگاری کے شوق کو سراہا ہے۔اس کے بعد بتاتے ہیں کہ ۱۹۹۱ء میں سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد انھیں یقین ہی نہیں تھا کہ نئی صدی کا سورج دیکھ پائیں گے اور خطوط کی دوسری جلد شائع ہونے کے بعد ڈر تھا کہ اب مزید خطوط نہیں لکھے جا سکیں گے۔اس کے باوجود ایک دوست عبدالوہاب سلیم نے مشورہ دیا تھا کہ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خط لکھیں اس کی ایک کاپی انھیں بھی دی جائے تا کہ کوئی حادثہ تیسری جلد کے منظر عام پر آنے کی راہ میں حائل نہ ہو۔ بہر حال قدرت کی عنایات سے تیسری جلد بھی مرتب کی تو عبدالوہاب نے مسرت کا اظہار کیا۔

اس جلد میں پینتالیس مکتوب الیہم کے نام ۲۵۰ خطوط بھی حسب سابق کسی منطقی ترتیب سے یکجا نہیں۔ اور ایک شخصیت کے نام خطوط مختلف مقامات پر مجتمع کرنے کی روش برقرار ہے۔ ان میں سب سے قدیم خط یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کا ہے جو اعجاز حسین بٹالوی کے نام ہے۔ جبکہ تازہ ترین خط ۱۰ر جولائی ۲۰۰۸ء کو چودھری نیاز احمد کے نام تحریر کیا۔ مجموعی طور پر بھی اس جلد کے متذکرہ خطوط داؤد کے قدیم ترین اور تازہ ترین خط ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ تینوں جلدوں میں خطوط کی کل تعداد ۱۲۹۵ ہے اور ان میں سے کوئی خط بھی قیامِ پاکستان سے قبل کا نہیں ہے۔

اتنی کثیر تعداد میں خطوط لکھنے میں داؤد رہبر کی اس خوبی کا بہت دخل ہے کہ احباب کے جوابی خط کا انتظار کیے بغیر وہ نئے خط بھیجتے رہتے تھے۔ (۴) ان کے نزدیک موجودہ دور میں ٹیلی فون نے فنِ گفتگو کا ستیاناس کر دیا ہے۔ کیونکہ فون پر عموماً مختصر بات کافی سمجھی جاتی ہے۔ (۵) ای میل سے بھی ان کی نہیں بنتی۔ (۶)

زیرِ نظر مجموعہ سے مکتوب نگار کی نجی زندگی کے کئی گوشے وا ہوتے ہیں۔ اور ہمیں پتا چلتا ہے کہ داؤد رہبر کی والدہ زینب (۷) ۲۹ برس کی عمر میں چھ بچے چھوڑ کر فوت ہو گئی تھیں۔ اس وقت داؤد صرف تین برس کے تھے۔ چھوٹا بھائی محمد الیاس دو برس کا اور بہن شیر خوار تھی۔ (۸) اسحاق سب سے بڑے تھے۔ وہ ایوب سے سات سال، داؤد سے آٹھ سال، الیاس سے نو سال اور سارہ سے دس سال بڑے تھے۔ (۹) جب داؤد اور ان کے بہن بھائی پرائمری سکول میں پڑھتے تھے تو ان کے والد ڈاکٹر شیخ محمد اقبال خود صبح دہی اور پیڑوں سے میٹھی لسی تیار کرتے اور پکار پکار کر بچوں سے کہتے، نہار منہ سکول نہ جاؤ لسی پی لو۔ (۱۰)

داؤد کا سال پیدائش سکول اور میونسپل رجسٹر میں ۶ رمئی ۱۹۲۶ء کے بجائے ۶ را پریل ۱۹۲۷ء درج ہے۔ ان کے دیگر بہن بھائیوں کی عمریں بھی ایک ایک سال کم لکھوائی گئی ہیں شاید یہ اس زمانے کا رواج تھا۔ (۱۱) مکتوب نگار کے دادا مولوی غلام قادر ان کی پیدائش سے ۱۶ برس پہلے انتقال فرما گئے تھے۔ (۱۲) وہ فیروز پور میں آنریری مجسٹریٹ تھے۔ جبکہ دادی، داؤد کی والدہ کی وفات کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔ (۱۳) نانی اماں جب کبھی ان کے گھر آتیں تو باقی بچے ان سے گھل مل جاتے۔ محمد یعقوب کو بالخصوص ان سے بہت انس تھا۔ مگر داؤد ان سے دور رہتے کہ انھیں وہ دیہاتن عورت نظر آتیں۔ (۱۴)

جب شیخ محمد اقبال کی بیوی کا انتقال ہوا تھا تو ان کی عمر ۳۵ برس تھی۔ لیکن انھوں نے دوسری شادی نہ کی۔ (۱۵) وہ بچوں کی بہتر تربیت کے لیے گھر میں ہی نماز با جماعت ادا کرنے کا اہتمام کرتے۔ جس میں سارہ بھی شریک ہوتیں۔ (۱۶) ماڈل ٹاؤن لاہور میں ان کا مکان خاصا کشادہ تھا۔ اس کے چودہ کمرے تھے۔ (۱۷) ان کا آبائی علاقہ قصور تھا۔ جہاں ان کی برادری چاولہ کہلاتی تھی جو اصل میں ہندوؤں کی ایک جاتی کا نام ہے۔ (۱۸) ان کے آباؤ اجداد نے سولھویں صدی عیسوی میں اسلام قبول کیا تھا۔ (۱۹) شیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد اقبال حافظِ قرآن تھے۔ مگر مولویت پن ان میں بالکل نہ تھا۔ کلین شیو تھے۔(۲۰) کلاسیکی موسیقی سے انھیں رغبت تھی۔ انھوں نے طبلہ نوازی اور دلربا نوازی کے سبق باقاعدہ ایک استاد سے لیے۔(۲۱) وہ کھلے ذہن کے مالک تھے۔ خواجہ حافظ اور عمر خیام کے مرید تھے۔ تہذیبِ نو کی صرف ایک بات انھیں کھٹکتی تھی کہ مسلمان لڑکیاں انھیں پردے کے بغیر کالجوں میں نظر آنے لگی تھیں۔(۲۲) اپنے بڑے بھائی خادم محی الدین سے ان کے تعلقات میں کشیدگی کی وجہ بھی یہی تھی کہ انھوں نے اپنی بیٹیوں سے پردہ چھڑا دیا تھا۔(۲۳) مولوی محمد حسین بھی شیخ اقبال کے بڑے بھائی تھے۔(۲۴)

شیخ محمد اقبال ۲۹ ر اکتوبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے تھے۔(۲۵) فیروز پور سے انٹرنس کے بعد(۲۶) انھوں نے ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا۔ جہاں سے ۱۹۱۵ء میں بی۔اے اور ۱۹۱۷ء میں عربی میں ایم۔اے کرنے میں کامیاب ہوئے۔(۲۷) واضح رہے کہ ان کی درس گاہ تو علی گڑھ تھی مگر ایم۔اے کا امتحان الہٰ آباد یونیورسٹی میں دیا تھا(۲۸) اس لیے کہ اس زمانے میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ نہیں ملا تھا۔ بہرحال پروفیسر سٹوری نے انھیں کیمبرج کے لیے سٹیٹ سکالرشپ دلوایا(۲۹) جہاں انھوں نے سلجوقیوں کی تاریخ کے موضوع پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا۔(۳۰) یاد رہے کہ کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کا آغاز ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ شیخ محمد اقبال سے قبل سائنس کے صرف ایک طالب علم کو پی ایچ۔ڈی کی ڈگری جاری ہوئی تھی۔(۳۱)

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا تقرر اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت صدر شعبۂ فارسی ۱۹۲۲ء میں ہوا۔(۳۲) حافظ محمود شیرانی اسلامیہ کالج سے اورینٹل کالج ۱۹۲۸ء میں منتقل ہوئے تو دونوں میں اتنی گہری دوستی ہوگئی کہ تقریباً ہر جمعرات کو پچھلے دو گھنٹے شیخ محمد اقبال، حافظ محمود شیرانی کے گھر گزارتے۔ جبکہ ہر سنیچر کو موٹر سائیکل یا موٹر پر شیرانی کو ساتھ بٹھا کر ماڈل ٹاؤن لے جاتے۔ جہاں اتوار کی شام تک وہ قیام کرتے۔ حافظ شیرانی ۱۹۴۱ء میں ریٹائر ہوئے تو انھوں نے اہلِ خانہ کو ٹونک روانہ کر دیا اور خود تین ماہ کے لیے شیخ محمد اقبال کے ہاں مقیم ہوگئے۔ اس عرصے میں انھوں نے ''فردوسی پر چار مقالے''، ''تنقید شعر العجم'' اور ''پرتھوی راج رسا'' کی پروف خوانی کی۔ اس کام کے دوران میں وہ داؤد رہبر کو اکثر پاس بٹھاتے۔(۳۳) انھیں جب بھی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی داؤد بھاگ کر والد کی لائبریری سے نکال لاتے(۳۴)۔ حافظ شیرانی لاہور سے جانا نہیں چاہتے تھے مگر اپنے اہل خانہ کے اصرار پر جب یہاں سے جانے لگے تو بہت اداس تھے۔(۳۵) یہاں واضح رہے کہ شیخ محمد اقبال نے اپنے بیٹے کا نام داؤد، حافظ محمود شیرانی کے فرزند داؤد (اختر شیرانی) کے نام پر رکھا تھا۔(۳۶) زندگی بھر اختر شیرانی شیخ محمد اقبال کے گھر نہ آئے تھے۔ لیکن جب حافظ محمود شیرانی کا انتقال ہوا تو شیخ صاحب سے ملنے آئے۔ شراب کی بوتل ان کی جیب میں تھی اور بہت رو رہے تھے۔ اس زمانے میں وہ شراب کا نشہ بڑھانے کے لیے اس میں افیم بھی ملایا کرتے تھے۔(۳۷)

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال بھی ۲۱ ر مئی ۱۹۴۸ء کو فوت ہوگئے۔(۳۸) تب ان کی عمر ۵۴ برس تھی۔ ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامور شاگردوں میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر محمد باقر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ن۔م۔ راشد، ڈاکٹر عندلیب شادانی، ڈاکٹر وحید قریشی اور جگن ناتھ آزاد شامل ہیں۔(۳۹) وہ جگن ناتھ آزاد کے والد منشی تلوک چند محروم کے کلام کے بہت رسیا تھے۔ ان کی رباعیات کے پہلے ایڈیشن کا تعارف شیخ محمد اقبال نے ہی لکھا تھا۔(۴۰)

یہ شیخ محمد اقبال کی عمدہ تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کی اولاد نے پڑھائی پر بھرپور توجہ صرف کی۔ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے اسحاق، ڈاکٹر بنے (۴۱) جو کراچی کے میڈیکل ریسرچ سنٹر میں ملازم رہے۔ جہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک امریکی یونیورسٹی کے میڈیکل کالج میں سولہ برس پروفیسر رہے۔ اور بعدازاں وہیں کے ہو کر رہ گئے۔(۴۲) ان کا انتقال ۲۷ رجولائی ۱۹۹۳ء کو امریکہ میں ہی ہوا۔ وہاں اب ان کی بیوہ رضیہ اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ رہتی ہیں۔(۴۳) واضح رہے کہ ڈاکٹر اسحٰق، پروفیسر خادم محی الدین کے داماد تھے۔ راگ رنگ سے انھیں بھی دلچسپی تھی۔(۴۴)

اسحٰق سے چھوٹے محمد یعقوب امریکہ کی اوہائیو سٹیٹ یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر تھے۔ ان کی انگریز بیوی بھی اسی یونیورسٹی میں پڑھاتی تھیں۔ قدرت نے انھیں اولاد کی نعمت سے محروم رکھا۔ ۱۹۸۱ء میں اپنے سسر سے ملنے انگلستان گئے تو وہیں فوت ہوگئے۔(۴۵) ن۔م۔ راشد کی طرح ان کی میت بھی نذرِ آتش ہوئی۔(۴۶)

داؤد اپنے بڑے بھائی ایوب کے پہلی جماعت سے ایف۔اے تک ہم جماعت رہے۔ پہلے ماڈل ٹاؤن سکول، پھر سنٹرل ماڈل ہائی سکول اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں۔ محمد ایوب نے بعدازاں تجارت کا پیشہ اختیار کیا (۴۷) جبکہ داؤد نے تعلیمی سفر جاری رکھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے ڈاکٹر محمد صادق، جو تصدق حسین خالد کے بھائی تھے، ان کے پسندیدہ استاد تھے۔(۴۸) داؤد نے عربی میں ایم۔اے کرنے کے لیے اورینٹل کالج میں داخلہ لیا۔(۴۹) ان کا ایم۔اے کا امتحان ۱۹۴۷ء میں ہوا۔(۵۰) اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے داؤد رہبر مارچ ۱۹۴۹ء میں انگلستان چلے گئے۔(۵۱) کیمبرج میں تعلیم کے دوران میں علامہ اقبال کے فرزند جاوید اقبال سے ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ چار سال (۱۹۴۹ء-۱۹۵۳ء) جاری رہا۔(۵۲) کیمبرج میں ساڑھے چار سال کی پڑھائی کے دوران ۱۹۵۰ء میں انھوں نے اسی یونیورسٹی میں اردو پڑھانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔(۵۳) ۱۹۵۳ء میں وہ یہاں سے ڈاکٹریٹ مکمل کر کے فارغ ہوئے۔(۵۴) کیمبرج میں جب کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوتا تھا، تو انھیں رہ رہ کر ماں کی یاد ستاتی جس کی صورت ان کا ننھا دماغ محفوظ رکھنے میں ناکام رہا تھا۔(۵۵) ڈاکٹریٹ کی تکمیل کے بعد وہ چند ماہ لاہور رہے اور پنجاب یونیورسٹی میں بطور لیکچرر سروس بھی کی۔ اس کے بعد میک گل یونیورسٹی (کینیڈا) میں دو سال تدریسی فرائض ادا کیے۔ پھر انقرہ یونیورسٹی (ترکی) میں استاد تعینات ہوئے۔ جہاں انھوں نے تین برس اردو اور تاریخ اسلام کے کچھ کورس پڑھائے۔(۵۶) ترکی میں چونکہ غیر ترک باشندے کو مستقل ملازمت نہیں مل سکتی اور ان کی ملازمت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سالانہ معاہدے کی تجدید ہوتی تھی۔(۵۷) اس لیے انھوں نے ۱۹۵۹ء میں امریکہ کا رخ کیا اور ہارٹفورڈ سیمیناری میں ملازم ہوئے۔ جہاں سے دو سال کی چھٹی لے کر وسکانسن یونیورسٹی پہنچے۔ پھر بوسٹن یونیورسٹی میں تاریخِ ادیانِ عالم کے پروفیسر تعینات ہوئے۔(۵۸) یہاں انھوں نے تاریخِ اسلام کے علاوہ چین، جاپان اور ہندوستان کے مذاہب کی تاریخ پڑھائی۔(۵۹)

داؤد رہبر اپنی نئی نویلی دلہن صبیحہ کو جب لندن ساتھ لے گئے تھے۔وہ بہت گھبرا گئی تھیں۔اس لیے انھیں دو ماہ کے لیے واپس لائل پور آنا پڑا تھا۔(۶۰) پردیس کی زندگی ان کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء میں وہ ایک ماہ کے لیے اس وجہ سے ہسپتال میں رہیں کہ وطن سے دوری ان کی ذہنی پراگندگی کا باعث بن رہی تھی۔(۶۱) اس کے علاوہ بڑی بیٹی سمیرہ کی امریکی عادتیں بھی ان کا مشرقی ذہن قبول کرنے میں ہمیشہ پس و پیش کرتا رہا اور وہ ذہنی طور پر بیمار ہوتی چلی گئیں۔(۶۲) ہارٹفورڈ میں ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کے بالکل نہ ہونے کی وجہ سے بھی داؤد کے بیوی بچوں پر برے اثرات پڑ رہے تھے۔جب وہ وسکانسن یونیورسٹی میں گئے تو وہاں خاصے پاکستانی اور ۵۰۰ ہندوستانی طلبہ زیر تعلیم تھے۔(۶۳) اس یونیورسٹی میں انھیں فارسی پڑھانے کے مواقع بھی ملے۔(۶۴) بوسٹن یونیورسٹی میں ان کا تقرر ۱۹۶۹ء میں ہوا (۶۵) جہاں انھوں نے اکیس برس سروس کی۔(۶۶) اس یونیورسٹی سے ۱۹۸۹ء میں انھوں نے دو سال کی رخصت لینے کی کوشش کی۔(۶۷) مگر ستمبر ۱۹۹۰ء سے ایک برس کی چھٹی منظور ہوئی۔ بارہ ماہ تک انھیں یونیورسٹی رولز کے تحت گھر بیٹھے تنخواہ ملتی رہی اور بالآخر ستمبر ۱۹۹۱ء میں ریٹائر ہو گئے۔(۶۸) انھوں نے ۶۵ برس کی عمر میں پنشن بیوی کی بیماری کے باعث مجبوراً لی تھی۔ ورنہ مزید دس سال پڑھاتے تو تنخواہ بھی بڑھتی رہتی اور پنشن بھی چار گنا زیادہ ہوتی۔(۶۹) ریٹائرمنٹ کے بعد وہ فلوریڈا میں منتقل ہوئے لیکن ان کی چھوٹی صاحبزادی کو یہ علاقہ پسند نہ آیا اور وہ چار ماہ بعد اپنی شادی شدہ بہن کے پاس نیوجرسی چلی گئیں۔(۷۰) داؤد خود بھی شروع میں اس لیے پریشان ہوئے کہ ان کے امریکی دوستوں اور شناساؤں میں زیادہ تر نیویارک کے آس پاس رہتے تھے۔ اسی لیے وہ بوسٹن اور نیویارک واپس جانے کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔(۷۱) لیکن بہت عرصے تک وہ اس سوچ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اور دس برس یہیں رہے۔(۷۲)

داؤد رہبر کی دو بیٹیاں ہیں سمیرہ اور انیسہ۔(۷۳) گریجویشن کے بعد سمیرہ کی شادی داؤد کے ایک امریکی شاگرد سے ہوئی۔(۷۴) ان کے دو بیٹے ہیں ڈیمن اور برانڈن۔(۷۵) ڈیمن وکیل ہے جبکہ برانڈن نے بزنس میں تعلیم مکمل کی ہے۔(۷۶) جبکہ انیسہ ایک ٹیلی فون کمپنی میں ملازمت کر رہی ہیں۔(۷۷) ان کی شادی نہ ہو سکنے کے باعث داؤد دکھی ہیں۔(۷۸)

صبیحہ کے والد اور داؤد کے سسر آغا غیاث الدین احمد ۲۸ رجولائی ۱۹۹۷ء کو ستانوے برس کی عمر میں فوت ہوئے۔(۷۹) صبیحہ خود جسمانی اور ذہنی تکالیف میں مبتلا ہیں۔(۸۰) ان کی بینائی تشویش ناک حد تک زائل ہو چکی ہے۔(۸۱) چلنے پھرنے کی طاقت ان میں نہیں۔(۸۲) حالانکہ عمر میں وہ داؤد سے چار سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوٹی ہیں۔(۸۳) داؤد ثقل سماعت کا شکار رہے۔(۸۴) انھیں دو بار ہڈی ٹوٹنے کے کرب سے البتہ دوچار ہونا پڑا۔ پہلی بار برف سے پھسلے تو بازو ٹوٹا جبکہ دوسری بار ایڑی سے ذرا اوپر دائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹی۔(۸۵)

داؤد رہبر کو شعر و شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ انھوں نے کسی بڑے کی مشاورت کے بغیر صرف آٹھ برس کی عمر میں رہبر کا تخلص اختیار کیا تھا(۸۶) اور میٹرک تک دو دیوان بھی مکمل کر چکے تھے۔ البتہ اپنے والد کے مشورے پر انھیں شائع نہ کروایا۔(۸۷) شعر و شاعری کے علاوہ وہ مختلف راگوں کے رموز سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔(۸۸) یہ دونوں شوق انھیں وراثت میں ملے ہیں۔(۸۹) کلاسیکی موسیقی کی ان کے پاس تقریباً ۵۰۰ کیسٹس ہیں۔ اور ڈیڑھ سو لانگ پلے ریکارڈز بھی۔ وہ ساٹھ ستر راگ صحیح خوانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں انھوں نے خود خیال کی بندشیں بنائی ہیں۔(۹۰) اپنی لائبریری کی کتب البتہ انھوں نے بوسٹن یونیورسٹی کی لائبریری کو فروخت کر دی ہیں۔ اور اپنے پاس صرف پچاس ساٹھ کتابیں رکھی ہیں(۹۱) ان کے پاس سات آٹھ سو اردو اور چار پانچ سو انگریزی کتب ہیں۔(۹۲)

زیر نظر مجموعے میں متفرق نجی معلومات بھی بہت مفید ہیں۔ مثلاً جن دنوں اختر شیرانی فوت ہوئے، داؤد رہبر کے بڑے بھائی ڈاکٹر اسحٰق میو ہسپتال کے مردہ خانے میں گاہے گاہے پوسٹ مارٹم کی فرائض انجام دیتے تھے۔ اصل میں اس عرصے میں وہ لاہور کے میڈیکل کالج میں اناٹومی پڑھانے پر مامور تھے۔ اور گمنام لاشوں کو اناٹومی ڈیپارٹمنٹ میں بھیج کرتے تھے۔ ان کے ایک ساتھی نے مردہ خانے میں لے جا کر ایک گمنام لاش کی طرف ان کی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ اختر شیرانی کی لگتی ہے۔ جو سڑک کے کنارے سے اٹھا کر لائی گئی تھی۔ بہرحال ڈاکٹر اسحٰق نے لاش کی تصدیق کر کے ٹونک میں ان کے رشتہ داروں کو اطلاع کی۔ دو دن کے اندر اندر شیخوپورہ سے اختر کے چند اقارب میت میو ہسپتال سے لے گئے۔(۹۳) علامہ محمد اقبال صرف صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کو اپنا حقہ پیش کر دیتے تھے۔ ورنہ جونہی مہمان آتا علی بخش کو دوسرا حقہ لانے کو کہتے۔(۹۴) قیام پاکستان سے قبل صوفی تبسم کو گورنمنٹ کالج لاہور کے طلبہ کلاس میں اس قدر تنگ کرتے کہ وہ کچھ پڑھا نہ سکتے خصوصاً اس دن جب غزل پڑھاتے۔(۹۵) ذوالفقار علی بخاری، پطرس بخاری کے چھوٹے بھائی تھے۔(۹۶) پطرس بخاری گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ہو کر بھی فیض، تاثیر اور صوفی تبسم کے ہمراہ راتوں کو آوارہ گردی کیا کرتے تھے۔(۹۷) محمد دین تاثیر اور پطرس بخاری ادبی محفلوں میں، سٹیج پر قدآور شخصیات کی موجودگی کے باوجود فقرہ بازی سے باز نہ آتے تھے۔(۹۸) دریائے لطافت کے مصنف سیّد انشا اللہ خاں انشا لکھنوی نہ تھے بلکہ بنگالی تھے۔ انھوں نے مفعولن، متفاعلن اور مفاعیلن کے اصولوں کو دردِ سر سمجھتے ہوئے نیا فارمولا نکالا۔ گل، صبا اور چمنی۔(۹۹) داغ دہلوی کو رامپور کے مشاعروں میں پٹھان گالیاں دے کر داد دیا کرتے تھے۔(۱۰۰) مغل سلاطین میں سے کسی بادشاہ نے حج نہ کیا۔ بہادر شاہ ظفر کا ارادہ تھا مگر حج کر نہ سکے۔ داغ دہلوی نے نواب رامپور نواب کلب علی خان کے ساتھ ۱۸۷۲ء میں حج کیا تھا۔(۱۰۱) ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی، اعجاز حسین بٹالوی اور آغا بابر بٹالوی بھائی تھے۔(۱۰۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی بی بی سی سے بھی وابستہ رہے۔(۱۰۳) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی بیگم بتول، داؤد رہبر کی خالہ زاد بہن تھیں۔(۱۰۴) داؤد رہبر کے تایا زاد اور معروف ٹی وی کمپیئر ضیا محی الدین کو بچپن میں بلو کہا جاتا تھا۔(۱۰۵) ان کی پہلی بیوی ناہید صدیقی انھیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ تو ان کی طبیعت انگلینڈ سے اچاٹ ہوگئی اور وہ سنٹرل ٹیلی ویژن سے مستعفی ہو کر لاہور آ گئے اور نئی شادی کر لی۔(۱۰۶) انھوں نے کل تین شادیاں کیں(۱۰۷) اب وہ "National Academy of Performing Art" کے ڈائریکٹر ہیں۔(۱۰۸) جہاں ان کی تنخواہ وافر ہے۔(۱۰۹) ضیا محی الدین کے والد پروفیسر خادم محی الدین نومبر ۱۹۶۳ء میں فوت ہوئے تھے۔(۱۱۰) مولانا صلاح الدین احمد نے اٹھارہ برس کی عمر میں ''خیالستان'' کی ادارت سے ۱۹۲۰ء میں صحافت کا آغاز کیا تھا۔(۱۱۱) بعدازاں کم وبیش ۴۰ برس تک ''ادبی دنیا'' کے مدیر رہے۔ ان کا انتقال ۱۴؍ جون ۱۹۶۴ء کو ہوا۔(۱۱۲) مولوی محمد شفیع کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی جوانی میں وفات پا گئے۔ مگر انھوں نے انتہائی صبر سے یہ صدمات برداشت کیے۔(۱۱۳) وہ خود ۱۹۶۳ء میں فوت ہوئے۔(۱۱۴) ڈاکٹر آصف فرخی، ڈاکٹر اسلم فرخی کے بیٹے ہیں۔(۱۱۵) ن۔م۔ راشد اور مختار صدیقی ہم زلف تھے۔(۱۱۶) مولوی عبدالحق جب علی گڑھ میں پڑھتے تھے تو نماز پنجگانہ باقاعدگی سے مسجد میں ادا کرتے تھے۔ لیکن بی۔ اے کر کے جب حیدر آباد گئے۔ تو نماز سے اس قدر کنارہ کش ہوئے کہ نماز کی جماعت ہو رہی ہوتی تو الگ ہو کر بیٹھ جاتے۔ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی اسی لیے چھیڑ چھیڑ میں انھیں ''کالا کافر'' کہا کرتے تھے۔(۱۱۷) اختر حسین رائے پوری کے دادا اور شاید والد بھی ہندو تھے۔(۱۱۸) مولوی عبدالحق نے تمام عمر شادی تو نہ کی مگر اختر حسین رائے پوری کی بیگم حمیدہ خانم سے ان کی دوستی ضرور تھی۔ جس میں معصومیت کے ساتھ رومان کی آمیزش بھی تھی۔(۱۱۹) یاد رہے حمیدہ ''نیلی چھتری'' کے مصنف ظفر عمر کی بیٹی تھیں(۱۲۰)۔ معروف شاعرہ شبنم شکیل سیّد عابد علی عابد کی بیٹی ہیں۔(۱۲۱) برٹرنڈرسل خدا کے منکر اور سخت غصیلے آدمی تھے انھوں نے تین بیویوں کو یکے بعد دیگرے طلاق دی۔ کیمبرج میں جب بیوی سے لڑتے تھے تو کالج کے آنگن میں ان کی گرج سب طلبہ کو سنائی دیتی تھی۔(۱۲۲) ریاض خیر آبادی، رئیس احمد جعفری کے نانا تھے(۱۲۳) ڈاکٹر وزیر آغا ایرانی الاصل تھے۔ انھوں نے اپنے بزرگوں سے فارسی نوجوانی میں ہی سیکھ لی تھی (۱۲۴)۔ عبدالمجید سالک کے والد احمدی تھے۔(۱۲۵) اختر شیرانی کے صاحبزادے مظہر محمود شیرانی، مکتوب نگار سے بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے نالاں رہے۔(۱۲۶) ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹنا کے بارے میں مشہور ہے کہ غالب کے شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ کے پوتے تھے۔(۱۲۷) مولانا فضل حق خیر آبادی کے بیٹے مولانا منتخب الحق کراچی یونیورسٹی میں بلند مراتب پر فائز رہے(۱۲۸) جبکہ ان کے پوتے ڈاکٹر نعمان الحق امریکہ کی براؤن یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر رہے۔(۱۲۹) رتن ناتھ سرشار کم آمیز اور کم سخن آدمی تھے۔(۱۳۰) میراجی کا بھائی کامی موسیقار تھا، وائلن پر جے جے ونتی بجا کر انھیں رلایا کرتا تھا۔ اب پتا نہیں اس نے یا کسی دوسرے بھائی نے میراجی کی بیاضیں ردی والے کو دے کر ریوڑیاں کھائی تھیں اور میراجی کو بلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوشی میں مبتلا کر دیا تھا۔(۱۳۱) سیّد عابد علی عابد صرف تخلص کے عابد تھے۔ان کی طبیعت کا رنگ عبادت کا نہ تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔(۱۳۲) سیّد ہاشمی فرید آبادی کی والدہ غالب کے ایک شاگرد نواب علاالدین خان علائی رئیس لوہارو کی بیٹی تھیں۔(۱۳۳) داوٗد رہبر کے بچپن کے ہم جولی ڈاکٹر آغا اشرف کے بیٹے آغا شاہد امریکی یونیورسٹی میسے چوسٹس میں پروفیسر اور انگریزی کے کامیاب شاعر ہیں۔انھوں نے فیض کے کلام کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔(۱۳۴)

ان خطوں میں داوٗد رہبر کے ادبی و تنقیدی افکار بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ دنیا بھر کی شاعری میں غزل ہی گفتگو کی شاعری ہے۔اور گفتگو یوں بھی اسلامی کلچر کا خاص الخاص فنِ لطیف ہے۔جس طرح غزل کے اندر اوپر تلے مضمون جستہ جستہ ہو کر آتے ہیں، اسی طرح بہترین گفتگو میں بھی ہوتے ہیں۔ بلاشبہ ایک ہی موضوع سے چمٹ جانے والی تقریر اور تحریر مصنوعی ہو جاتی ہے۔(۱۳۵) دو باتیں غزل میں ایسی ہیں، جو جدید نظم میں نہیں آسکتیں۔ایک غزل کی ظرافت اور دوسری یہ کہ غزل گا سکتے ہیں مگر جدید نظم گائی نہیں جاتی۔یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ عجمی فنِ گفتگو اور آدابِ محفل کو غزل نے سنوارا ہے۔(۱۳۶) جہاں تک تغزل کا تعلق ہے تو اس کا لفظی مطلب تو غزالوں سے وابستگی ہے۔لیکن آٹھ صدیوں کی طویل غزل گوئی نے تغزل کو ایک مسلک کا درجہ دے دیا ہے۔جس کی گنجائشیں آفاقی ہیں۔تعشق، تشرب اور لاادریت اس کے من بھاتے مضمون ہیں۔(۱۳۷)

ان کے نزدیک شاعر کے کلام سے زیادہ اس کی شخصیت دلچسپ ہوتی ہے۔اسی لیے وہ شعرا کے دواوین سے زیادہ ان کی سوانح عمریوں کے متلاشی رہے۔اور جن شعرا کی سوانح عمریاں ان کے حافظے میں رہیں، ان کے کلام سے زیادہ محظوظ ہوئے۔(۱۳۸) وہ مختلف شعرائے کرام کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے بتاتے ہیں، کہ قافیے کا پابند ہو کر جیسی نظمیں انور مسعود نے کہی ہیں، ویسی آزاد نظم قافیے سے آزاد ہو کر بھی کوئی اردو شاعر نہیں لکھ سکا۔وہ پنجابی کے نظیر اکبر آبادی ہیں۔(۱۳۹) مختار صدیقی کے کلام میں آورد زیادہ ہے۔ بلاشبہ اچھی آورد گھٹیا آمد سے برتر ہے۔(۱۴۰) ن۔م۔راشد کے ہاں برہمی اور سرکشی کے آثار ہیں، مگر زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ان کے پاس کوئی نسخہ نہیں۔اگرچہ کہیں کہیں ان کا لہجہ پیغمبرانہ ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا پیغام بے چارگی کا رونا ہے، جس میں چارہ گری والی کوئی بات نہیں۔ان کی نظموں میں الفاظ کی خوش آہنگی البتہ غیر معمولی ہے۔جو تحت اللفظ ڈرامائی قرأت کے لیے ضروری ہے۔(۱۴۱) وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سید عابد علی عابد کی ’’انتقاد‘‘ کا کوئی سر پیر نہیں۔کچھ معلوم نہیں وہ اس میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔(۱۴۲) اپنے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنی غزلوں میں تصوف اور فلسفہ پیش کرنے کی شعوری کوشش کرتے تو بیمار ہو جاتے۔اصل میں علامتی، ابہامی اور سنجیدہ شاعری ان کی طبیعت سے لگا نہیں کھاتی۔(۱۴۳) غزلوں میں وہ چٹکلے اور خیال کی قلابازی کے متلاشی رہتے تھے۔(۱۴۴) ان کی نثری کتب میں ’’باتیں کچھ سریلی سی‘‘، ’’پراگندہ طبع لوگ‘‘، ’’تسلیمات‘‘، ’’کلچر کے روحانی عناصر‘‘ اور ’’نسخہ ہائے وفا‘‘ شامل ہیں۔انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی آپ بیتی انگریزی میں لکھی۔(۱۴۵) اپنے والد ڈاکٹر محمد اقبال کی سوانح بھی انگریزی میں لکھ رہے ہیں۔(۱۴۶) ان کی رغبت ترجمہ نگاری کی طرف بھی رہی۔ ۱۹۴۵ء میں جب انھوں نے پروفیسر براؤن کی ''تاریخ ادبیات ایران'' کی تیسری جلد کا ترجمہ مکمل کیا تھا، تو ان کی عمر صرف انیس برس تھی۔(۱۴۷) انھوں نے علامہ اقبال کے اس انگریزی خطبے کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۲۸ء میں اورینٹل کالج کانفرنس میں پڑھا گیا۔ یہ ترجمہ اورینٹل کالج میگزین میں چھپا۔ اس خطبے کے اصل انگریزی مسودہ کے گم ہونے پر وہ بہت پریشان ہیں۔(۱۴۸) مولانا غلام رسول مہر کے مرتبہ ''خطوط غالب'' کا مع حواشی انگریزی ترجمہ بھی ان کی محنتوں کا ثمر ہے(۱۴۹) جسے مکمل کرنے میں انھیں بارہ سال لگے۔(۱۵۰)

داؤد رہبر کے خطوں میں مختصر ادبی معلومات بھی دلچسپ اور مفید ہیں۔ مثلاً بیدل کے تین جلدوں پر مشتمل شعری مجموعے میں ننانوے ہزار اشعار ہیں۔(۱۵۱) انوکھی بحور غالب سے مختص نہیں، وہ خواجہ حافظ کے دیوان میں بھی ہیں۔(۱۵۲) میر تقی میر نے آپ بیتی بہتر برس کی عمر میں لکھی تھی (۱۵۳)۔ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی زادہ میں اشعار عجیب وغریب ہیں۔(۱۵۴) امیر خسرو ابتدا میں اپنی غزلیں خواجہ نظام الدین اولیا کو دکھایا کرتے تھے۔(۱۵۵) بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں مشاعروں میں پڑھی جانے والی غزلیں چھاپ دی جاتیں۔ یہ مجموعے گلدستے کہلاتے تھے۔(۱۵۶) مولانا حالی کے شاگرد پنڈت برجموہن دتا تریہ کیفی نے ''مسدس حالی'' کے نمونے پر ''بھارت درپن'' میں ہندو سماج کی کسمپرسی بیان کی۔(۱۵۷) مومن خان مومن کو مرزا غالب ان کے نادر تخیل کی وجہ سے پسند کرتے تھے۔(۱۵۸) قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ''حلقۂ اربابِ ذوق'' دو دھڑوں ''حلقۂ اربابِ ذوق ادبی'' اور ''حلقہ اربابِ ذوق سیاسی'' میں منقسم ہوا۔(۱۵۹) قدیم عرب شعرا ردیف کے بغیر قصیدے کہتے تھے، ردیف غالباً المعرّی کی ایجاد ہے۔ اس کا ردیفوں والا عربی کلام لزومیات کہلاتا ہے۔(۱۶۰) ادارہ معارف اسلامیہ کی تاسیس علامہ اقبال کی تجویز اور ریاست حیدر آباد (دکن) کی امداد سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے تین اجلاس ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں ہوئے تھے۔(۱۶۱)

جہاں تک اسلوبِ بیان کا تعلق ہے، تو داؤد رہبر موضوع اور مکتوب الیہ کے مزاج کے مطابق اپنا لب ولہجہ بدلنے کی مہارت سے متصف ہیں۔ ان کی سادہ اور رواں نثر علمی و ادبی خوبیوں سے عاری نہیں۔ ایسی نثر میں وہ لاجواب منظر کشی کرتے ہوئے دلی جذبات و احساسات کی آمیزش بھی کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً ۳۱ دسمبر ۱۹۹۸ء کو لکھے گئے خط کا یہ اقتباس دیکھیے:

> ''چند ہفتے قبل ایک روز میں یہاں سے ایک میکدے میں نبیذ کے گھونٹ کے لیے جا بیٹھا۔ آٹھ دس گٹھے ہوئے دبنگ آدمی وہاں غٹا غٹ پی رہے تھے۔ ہر ایک کی زبان پر کثیف لطیفے اور ٹھٹھا زوروں پر تھا۔ میں نے ہر ایک کے بائیں ہاتھ پر نظر ڈالی۔ ازدواج کی انگوٹھی کسی ہاتھ پر نہ تھی۔ تم جانتے ہی ہو، بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں متصل جو انگلی ہوتی ہے، اس پر انگشتری چڑھی ہو تو اس سے مراد یہ بتانا ہوتا ہے کہ ہم شوہر لوگ ہیں، چھڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں۔ان لوگوں کی پھبتیاں ایک دوسرے کی مطلقہ بیویوں کے بارے میں تھیں۔مہمان داری پر اس میکدے میں ایک ساقن مامور تھی۔اس کی پوشاک میں ستر برائے نام تھا۔ سارا سراپا سامنے تھا،مخموروں کی فحش پھبتیوں کا مقابلہ دلنواز خندہ اور تبسم سے کر رہی تھی۔ اس نے نبیذ کا گلاس میرے سامنے رکھتے ہوئے مجھے آنکھ ماری، میں نے زبانِ حال سے کہا، کاش میں تیرا ہم سن ہوتا۔'' (۱۶۲)

داؤد رہبر جب موسیقی کے رموز پر قلم اٹھاتے ہیں تو موضوع سے متعلق اصطلاحات گو ان کی نثر کو بوجھل بنا دیتی ہیں۔مگر وہ اس کی پروا کیے بغیر اپنا مدعا مکتوب الیہ پر واضح کر کے ہی دم لیتے ہیں۔مثلاً یہ پیراگراف دیکھیے جو ۲۱۔فروری ۱۹۹۶ء کو لکھے گئے خط سے لیا گیا ہے:

''راگ کی تعلیم کے لیے ہارمونیم بڑا کارآمد ساز ہے۔اللہ دیا خاں صاحب نے شاگردوں کو مختلف راگ سکھاتے ہوئے اسے کئی برس ہولے ہولے بجایا۔تو ان پر یہ بات منکشف ہوئی کہ دھاچوکڑی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔لیکن چین کا راز تو آہستگی میں ہے۔ آہستگی کو انھوں نے اصول بنا لیا۔اس سے ایک نیا اسلوب نکلا اور ایک نیا گھرانہ قائم ہوا۔خیال گائیکی کے دیگر گھرانوں میں بڑا خیال (یعنی بلمپت خیال) بیشتر بلمپت اکتالے میں یا جھومرا تال میں گایا جاتا ہے۔اللہ دیا خاں صاحب نے بلمپت ان تالوں میں نہ گائی۔بلمپت کے لیے انھوں نے ٹہلتی ہوئی یعنی آہستہ لے کی تین تال اختیار کی۔گھرانوں کے فرق ایسی ہی باتوں سے ہوتے ہیں۔'' (۱۶۳)

وہ جب کبھی مقفّی نثر کا اہتمام کرتے ہیں تو فقط صوتی آہنگ پر زیادہ زور صرف کرتے ہیں۔ایسے مواقع پر تکلف اپنی انتہاؤں کو چھوتا اور مفہوم دبیز تہوں میں دبتا محسوس ہوتا ہے۔مثلاً یہ سطور ملاحظہ کریں جو ان کے یکم۔جنوری ۱۹۹۱ء کو تحریر کیے گئے خط کا حصہ ہیں:

''مجھ پر قافیہ کب ہوا تنگ؟ میں اس میدان کا ہوں بہادر یار جنگ،خیال کی اڑاؤں پتنگ،تو اس کی بلندی دیکھ کر بھی رہ جاؤں دنگ،زمزمہ پرداز ہیں بلبل،قمری اور پپیہا،کہاں ہیں ملنگ جو پیتے ہیں بھنگ، گاتے ہیں تلنگ،اور بجاتے ہیں چنگ،اگر کوئی پوچھے کہ چنگ کون سا ساز ہے۔تو میرا جواب ہے اڑنگ برنگ،استاد فتح علی خان کے گانے کا رنگ ہے دبنگ، بلکہ قدرے لفنگ،سارنگی خوشی ہوئی جب اس پر بجا راگ سا رنگ، نارنگی ہنسی جب اس کے خریدار ہوئے گوپی چند نارنگ،تیمور غارت گر تھا اس لیے کہ اس کا گھوڑا تو نہیں تھا لنگ، میں تو اب یہیں کا ہو رہا،تم ہی جاؤ مزنگ اور جھنگ،کہو تمھارے لیے کیا کھلونا بھیجوں،جل ترنگ یا توپ و تفنگ۔'' (۱۶۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) داؤد ارہبر۔ سلام و پیام۔ جلد اول۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔ ص ۲۵۶، ۳۱۹، ۳۲۰، محررہ ۳۰/اپریل ۱۹۸۷ء

(۲) ایضاً، ص ۳۱۷، ۳۱۸، محررہ یکم/اکتوبر ۱۹۹۱ء

(۳) ایضاً، ص ۳۶۴، ۳۶۷، ۳۶۸، محررہ ۲۴/دسمبر ۱۹۸۸ء

(۴) داؤد رہبر۔ سلام و پیام۔ جلد دوم۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔ ص ۴۳، محررہ ۲۵/جون ۱۹۹۹ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۵) ایضاً، ص ۱۶۸، محررہ ۲۷/اپریل ۱۹۹۶ء، بنام حمید نسیم

(۶) ایضاً، ص ۳۴۱، محررہ ۲۴/مارچ ۱۹۹۹ء، بنام نوید ریاض

(۷) ایضاً، جلد اول۔ حاشیہ، ص ۴۷۶

(۸) ایضاً، ص ۳۹۸، محررہ ۱۲/مارچ ۱۹۹۱ء، بنام ڈاکٹر نعمان الحق

(۹) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۵۵، محررہ یکم/جولائی ۲۰۰۱ء، بنام وجیہہ الدین احمد

(۱۰) ایضاً، جلد اول۔ ص ۴۷۷، محررہ ۱۶/دسمبر ۱۹۹۴ء بنام نوید ریاض

(۱۱) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۲۸۲، محررہ ۲۴/اپریل ۱۹۹۸ء بنام مختار الدین احمد

(۱۲) ایضاً، ص ۱۱۵، محررہ ۲۵/جون ۱۹۹۹ء بنام وجیہہ الدین احمد

(۱۳) محمد داؤد رہبر۔ سلام و پیام۔ لاہور سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔ جلد سوم۔ ص ۱۷، محررہ ۲۹/جون ۲۰۰۶ء بنام ضیا محی الدین

(۱۴) ایضاً، ص ۲۳، محررہ ۲۹/جولائی ۲۰۰۶ء، ایضاً

(۱۵) ایضاً، ص ۶۴، محررہ ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۶ء بنام مختار الدین احمد

(۱۶) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۴۱۱، محررہ ۱۳/دسمبر ۲۰۰۲ء بنام ضیا محی الدین

(۱۷) ایضاً، ص ۸۸، محررہ ۲۳/دسمبر ۱۹۹۶ء بنام آغا بابر

(۱۸) ایضاً، ص ۴۰۷، محررہ ۲/جنوری ۲۰۰۳ء بنام ڈاکٹر جمیل جالبی

(۱۹) ایضاً، ص ۴۳۵، محررہ ۱۵/جون ۲۰۰۲ء بنام ڈاکٹر وحید قریشی

(۲۰) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۱۹۳، محررہ ۱۶/جون ۲۰۰۴ء بنام ابوالحسن نغمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۱) ایضاً، ص ۱۲۸، محررہ ۱۱/اپریل ۲۰۰۶ء بنام عبدالوہاب سلیم

(۲۲) ایضاً، جلد دوم- ص ۴۴۵، محررہ ۹/اپریل ۲۰۰۶ء بنام ڈاکٹر وزیر آغا

(۲۳) ایضاً، جلد سوم- ص ۱۲۹، محررہ ۱۱/اپریل ۲۰۰۶ء بنام عبدالوہاب سلیم

(۲۴) ایضاً، ص ۱۷، محررہ ۲۹/جون ۲۰۰۶ء بنام ضیا محی الدین

(۲۵) ایضاً، ص ۱۱۲، محررہ ۲۳/مارچ ۲۰۰۵ء بنام عبدالوہاب سلیم

(۲۶) ایضاً، جلد دوم- ص ۴۰۶، محررہ ۲/جنوری ۲۰۰۳ء بنام جمیل جالبی

(۲۷) ایضاً، ص ۲۸۰، محررہ ۱۰/نومبر ۱۹۹۷ء بنام مختار الدین احمد

(۲۸) ایضاً، ص ۴۸۴، محررہ ۱۲/جون ۲۰۰۰ء بنام، ایضاً

(۲۹) ایضاً، ص ۲۸۰، محررہ ۱۰/نومبر ۱۹۹۷ء بنام، ایضاً

(۳۰) ایضاً، ص ۴۷۱، محررہ ۷/مئی ۱۹۵۹ء بنام مولانا صلاح الدین احمد

(۳۱) ایضاً، ص ۴۰۴، ۴۰۵، محررہ ۲۰/نومبر ۲۰۰۲ء بنام مختار الدین احمد

(۳۲) ایضاً، ص ۴۰۶، محررہ ۲/جنوری ۲۰۰۳ء بنام جمیل جالبی

(۳۳) ایضاً، جلد اول- ص ۳۸۴، محررہ ۱۰/فروری ۱۹۸۹ء بنام ڈاکٹر اسلم فرخی

(۳۴) ایضاً، جلد سوم- ص ۲۰۹، محررہ ۹/ستمبر ۲۰۰۷ء بنام محمد اکرام چغتائی

(۳۵) ایضاً، جلد اول- ص ۳۸۴، محررہ ۱۰/فروری ۱۹۸۹ء بنام ڈاکٹر اسلم فرخی

(۳۶) ایضاً، ص ۳۸۳، محررہ، ایضاً

(۳۷) ایضاً، ص ۳۸۴، محررہ، ایضاً

(۳۸) ایضاً، جلد دوم- ص ۴۳۰، محررہ ۳۰/دسمبر ۲۰۰۲ء بنام مختار الدین احمد

(۳۹) ایضاً

(۴۰) ایضاً، جلد اول- ص ۲۳۲، محررہ ۲۶/مئی ۱۹۶۴ء بنام گوپی چند نارنگ

(۴۱) ایضاً، جلد اول- ص ۲۲۵، محررہ ۲۵/دسمبر ۱۹۶۹ء بنام پروفیسر ہربنس سنگھ

(۴۲) ایضاً، ص ۳۸۴، محررہ ۱۰/فروری ۱۹۸۹ء بنام ڈاکٹر اسلم فرخی

(۴۳) ایضاً، ص ۳۶۴، ۳۶۵، محررہ ۱۰/ستمبر ۱۹۹۳ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۴۴) ایضاً، ص ۳۱۲، محررہ ۱۶/مئی ۱۹۶۷ء بنام شاہد احمد دہلوی

(۴۵) ایضاً، جلد دوم- ص ۱۶۰، محررہ ۴/اکتوبر ۱۹۹۹ء بنام صبیحہ غلام جیلانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴۶) ایضاً، ص ۲۷۸، محررہ ۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء بنام مختار الدین احمد

(۴۷) ایضاً، ص ۱۷۵، محررہ ۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء بنام حمید نسیم

(۴۸) ایضاً، جلد اول۔ ص ۱۰۷، محررہ ۲/جون ۱۹۶۲ء بنام صلاح الدین احمد

(۴۹) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۲۰۲، محررہ ۱۷/جنوری ۲۰۰۵ء بنام ڈاکٹر سید معین الرحمٰن

(۵۰) ایضاً، جلد اول۔ ص ۱۶۸، محررہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۸۴ء بنام آغا بابر بٹالوی

(۵۱) ایضاً، ص ۳۲۱، محررہ ۹/مئی ۱۹۷۰ء بنام پروفیسر حفیظ ملک

(۵۲) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۴۲۰، محررہ ۳/جولائی ۲۰۰۲ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۵۳) ایضاً، جلد اول۔ ص ۲۴۷، محررہ ۲۳/مئی ۱۹۶۸ء بنام ڈاکٹر ذاکر حسین

(۵۴) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۲۶۴، محررہ ۱۶/جنوری ۲۰۰۲ء بنام نعمان الحق

(۵۵) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۲۵۱، محررہ یکم/جنوری ۱۹۵۰ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۵۶) ایضاً، جلد اول۔ ص ۲۴۷، محررہ ۲۳/مئی ۱۹۶۸ء بنام ڈاکٹر ذاکر حسین

(۵۷) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۴۵۷، محررہ ۲/جولائی ۱۹۵۹ء بنام مشفق خواجہ

(۵۸) ایضاً، جلد اول۔ ص ۲۴۷، محررہ ۲۳/مئی ۱۹۶۸ء بنام ڈاکٹر ذاکر حسین

(۵۹) ایضاً، ص ۱۷۶، محررہ ۲۵/مئی ۱۹۹۰ء بنام آغا بابر بٹالوی

(۶۰) ایضاً، ص ۲۲۴، محررہ ۲۵/دسمبر ۱۹۶۹ء بنام پروفیسر ہربنس سنگھ

(۶۱) ایضاً، ص ۲۳۹، محررہ ۱۷/مئی ۱۹۶۷ء بنام گوپی چند نارنگ

(۶۲) ایضاً، ص ۳۵۴، محررہ ۱۶/فروری ۱۹۶۷ء بنام سارہ حمید

(۶۳) ایضاً، ص ۱۸۹، محررہ ۳۰/جنوری ۱۹۶۷ء بنام عاشق حسین بٹالوی

(۶۴) ایضاً، ص ۱۹۶، محررہ ۶/مئی ۱۹۶۵ء بنام ڈاکٹر آغا اشرف علی

(۶۵) ایضاً، ص ۱۹۷، محررہ ۵/مئی ۱۹۶۹ء بنام، ایضاً

(۶۶) ایضاً، ص ۳۲۸، محررہ ۲۸/اکتوبر ۱۹۸۹ء بنام مسعود محمود

(۶۷) ایضاً، ص ۳۲۷، محررہ، ایضاً

(۶۸) ایضاً، ص ۳۶۱، محررہ ۱۶/جنوری ۱۹۹۱ء بنام سارہ حمید

(۶۹) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۱۷۹، محررہ ۲۲/مئی ۲۰۰۵ء بنام شمیم مرزا

(۷۰) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۹۸، محررہ ۹/جنوری ۱۹۹۱ء بنام نعمان الحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷۱) ایضاً، ص۳۱۸، محررہ یکم/اکتوبر ۱۹۹۱ء بنام سہیل صفدر
(۷۲) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۳۶۶، محررہ یکم/اکتوبر ۲۰۰۰ء بنام شمیم مرزا
(۷۳) ایضاً، جلد اول۔ ص ۲۶۸، محررہ ۱۹/جنوری ۱۹۶۵ء بنام ڈاکٹر غلام علی چودھری
(۷۴) ایضاً، ص ۳۴۸، محررہ یکم/ستمبر ۱۹۷۵ء بنام ثریا ریاض
(۷۵) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۵۸، محررہ ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۷ء بنام صبیحہ غلام جیلانی
(۷۶) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۱۷۲، محررہ ۲۸/اگست ۲۰۰۷ء بنام راجا تجمل حسین
(۷۷) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۳۹۹، محررہ ۱۰/اپریل ۲۰۰۱ء بنام اعجاز قمر
(۷۸) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۷۲، محررہ ۱۶/جنوری ۱۹۹۱ء بنام محمد ایوب
(۷۹) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۹۲، محررہ ۱۶/اگست ۱۹۹۷ء بنام آغا بابر
(۸۰) ایضاً، ص ۲۳، محررہ ۶/مئی ۱۹۹۶ء بنام اعجاز حسین بٹالوی
(۸۱) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۲۴۳، محررہ ۹/اپریل ۲۰۰۸ء بنام ڈاکٹر عروج اختر زیدی
(۸۲) ایضاً، ص ۱۷۲، محررہ ۲۸/اگست ۲۰۰۷ء بنام راجا تجمل حسین
(۸۳) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۵۸، محررہ ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۷ء بنام صبیحہ غلام جیلانی
(۸۴) ایضاً، ص ۲۱۱، محررہ ۱۵/ستمبر ۲۰۰۰ء بنام جمیل جالبی
(۸۵) ایضاً، ص ۳۰۷، محررہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء بنام ڈاکٹر وزیر آغا
(۸۶) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۹۹، محررہ یکم مئی ۱۹۹۱ء بنام نعمان الحق
(۸۷) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۱۴، محررہ ۱۶/اپریل ۱۹۹۹ء بنام وجیہہ الدین احمد
(۸۸) ایضاً، جلد اول۔ ۶۔۷۷، محررہ یکم/مئی ۱۹۸۹ء بنام ضیا محی الدین
(۸۹) ایضاً، ص ۲۵۷، محررہ ۳۰/اپریل ۱۹۸۷ء بنام کرنل بشیر حسین زیدی
(۹۰) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۴۱، محررہ ۲۷/اگست ۲۰۰۰ء بنام وجیہہ الدین احمد
(۹۱) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۴۵، محررہ ۲۵/اگست ۲۰۰۷ء بنام ضیا محی الدین
(۹۲) ایضاً، ص ۶۸، محررہ ۲۳/جون ۲۰۰۷ء بنام مختار الدین احمد
(۹۳) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۸۵، محررہ ۱۰/فروری ۱۹۸۹ء بنام اسلم فرخی
(۹۴) ایضاً، ص ۵۴، محررہ ۲۲/فروری ۱۹۸۸ء بنام ضیا محی الدین
(۹۵) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۴۷، محررہ ۱۴/ستمبر ۲۰۰۷ء، ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۹۶) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۴۲، محررہ ۴ر ستمبر ۲۰۰۰ء بنام وجیہہ الدین احمد

(۹۷) ایضاً، ص ۴۰۰، ۴۰۱، محررہ ۲۹ر دسمبر ۲۰۰۰ء بنام کرنل انور احمد

(۹۸) ایضاً، جلد اول۔ ص ۶۳، محررہ ۲۶ر نومبر ۱۹۸۸ء بنام ضیا محی الدین

(۹۹) ایضاً، ص ۹۱، محررہ ۱۲ر اپریل ۱۹۹۱ء، ایضاً

(۱۰۰) ایضاً، ص ۳۰۷، محررہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۹ء بنام ڈاکٹر محمد اجمل

(۱۰۱) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۲۷۴، محررہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۹ء بنام عبدالوہاب سلیم

(۱۰۲) ایضاً، جلد اول۔ ص ۱۶۱، محررہ ۲۴ر جولائی ۱۹۸۹ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۰۳) ایضاً، ص ۲۵۹، محررہ ۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء بنام محمود

(۱۰۴) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۲۸۸، محررہ ۳ر جون ۲۰۰۱ء بنام مختار الدین احمد

(۱۰۵) ایضاً، جلد اول۔ ص ۲۸۹، محررہ ۳ر مارچ ۱۹۸۷ء بنام الطاف گوہر

(۱۰۶) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۳۸۰، محررہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۹۵ء بنام ایوب اولیا

(۱۰۷) ایضاً، ص ۵۶، محررہ ۸ر جولائی ۲۰۰۰ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۰۸) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۱۸۹، محررہ ۸ر اگست ۲۰۰۷ء بنام ابوالحسن نغمی

(۱۰۹) ایضاً، ص ۱۳۳، محررہ ۲۳ر اکتوبر ۲۰۰۶ء بنام عبدالوہاب سلیم

(۱۱۰) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۴، محررہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء بنام ضیا محی الدین

(۱۱۱) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۲۶۱، محررہ ۹ر جولائی ۲۰۰۱ء بنام نعمان الحق

(۱۱۲) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۷، محررہ ۵ر جولائی ۱۹۶۴ء بنام ضیا محی الدین

(۱۱۳) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۲۹۱، ۲۹۲، محررہ ۱۶ر فروری ۱۹۹۶ء بنام پروفیسر اورنگ زیب عالمگیر

(۱۱۴) ایضاً، جلد اول۔ ص ۳۰۲، محررہ ۲۹ر جون ۱۹۶۳ء بنام امجد الطاف

(۱۱۵) ایضاً، ص ۴۶۸، ۴۶۹، محررہ ۳۰ر نومبر ۱۹۹۳ء بنام مشفق خواجہ

(۱۱۶) ایضاً، ص ۲۱۸، محررہ ۱۹ر نومبر ۱۹۸۸ء، ایضاً

(۱۱۷) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۸۹، ۹۰، محررہ ۳۰ر اپریل ۲۰۰۷ء بنام نعمان الحق

(۱۱۸) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۸۷، محررہ ۱۶ر جون ۱۹۹۴ء بنام جمیل جالبی

(۱۱۹) ایضاً، ص ۱۴، محررہ ۸ر جون ۱۹۹۴ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۲۰) ایضاً، ص ۱۶۷، محررہ ۱۱ر اپریل ۱۹۹۶ء بنام حمید نسیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۲۱) ایضاً، ص ۱۹۲، محررہ ۳۱ر جنوری ۱۹۹۵ء بنام جمیل جالبی

(۱۲۲) ایضاً ص ۲۰۷، ۲۰۸، محررہ ۳۰ر جنوری ۲۰۰۰ء، ایضاً

(۱۲۳) ایضاً ص ۱۶۹، محررہ ۲۰ر مئی ۱۹۹۶ء بنام حمید نسیم

(۱۲۴) ایضاً ص ۳۰۷، محررہ ۲۳ر اگست ۲۰۰۰ء بنام وزیر آغا

(۱۲۵) ایضاً ص ۴۳۷، محررہ ۲۳ر اپریل ۲۰۰۲ء بنام عاتکہ صدیقہ

(۱۲۶) ایضاً، جلد سوم۔ ص ۱۰۹، ۱۱۰، محررہ ۷ر نومبر ۲۰۰۴ء بنام عبدالوہاب سلیم

(۱۲۷) ایضاً ص ۱۲۰، محررہ ۱۹ر دسمبر ۲۰۰۵ء، ایضاً

(۱۲۸) ایضاً ص ۱۵۸، محررہ ۱۷ر اگست ۲۰۰۶ء بنام ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر

(۱۲۹) ایضاً، جلد دوم۔ ص ۱۵، محررہ ۱۲ر جولائی ۱۹۹۴ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۳۰) ایضاً ص ۲۲۴، محررہ یکم جنوری ۱۹۹۹ء بنام مشفق خواجہ

(۱۳۱) ایضاً ص ۶۶، محررہ ۲۸ر دسمبر ۲۰۰۰ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۳۲) ایضاً ص ۸۷، محررہ ۲۷ر اگست ۱۹۹۴ء بنام آغا بابر

(۱۳۳) ایضاً ص ۱۴، ۱۵، محررہ ۸ر جون ۱۹۹۴ء بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۳۴) ایضاً ص ۱۷۹، محررہ ۱۶ر مئی ۱۹۹۷ء بنام حمید نسیم

(۱۳۵) داؤد رہبر۔ سلام و پیام۔ جلد اول۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔ ص ۴۶۰، محررہ ۷ر جون ۱۹۹۳ء بنام وزیر آغا

(۱۳۶) ایضاً ص ۴۰۰، محررہ یکم مئی ۱۹۹۱ء، بنام ڈاکٹر نعمان الحق

(۱۳۷) سلام و پیام۔ جلد سوم۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔ ص ۲۴۲، محررہ ۷ر اپریل ۲۰۰۸ء بنام ڈاکٹر عروج اختر زیدی

(۱۳۸) سلام و پیام۔ جلد اول۔ ص ۳۱۸، محررہ یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء، بنام سہیل صفدر

(۱۳۹) ایضاً ص ۴۵۶، ۴۵۷، محررہ ۱۰ر جنوری ۱۹۹۲ء، بنام نوید ریاض

(۱۴۰) ایضاً ص ۳۳۰، محررہ ۳۱ر مئی ۱۹۶۷ء، بنام تجمل حسین جنجوعہ

(۱۴۱) سلام و پیام۔ جلد دوم۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔ ص ۲۹۴، محررہ ۲۷ر نومبر ۱۹۹۷ء بنام پروفیسر ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر

(۱۴۲) ایضاً ص ۸۷، محررہ ۲۷ر اگست ۱۹۹۴ء، بنام آغا بابر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۴۳) سلام و پیام- جلد سوم- ص ۳۵، محررہ ۲۷ر جنوری ۲۰۰۷ء، بنام ضیا محی الدین

(۱۴۴) سلام و پیام- جلد دوم- ص ۴۳۳، محررہ ۲۰ر جون ۲۰۰۲ء، بنام عبدالوہاب سلیم

(۱۴۵) سلام و پیام- جلد اول- ص ۲۲۰، محررہ ۱۹ر مارچ ۱۹۸۹ء، بنام مشفق خواجہ

(۱۴۶) سلام و پیام- جلد سوم- ص ۱۵۰، محررہ ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۷ء، بنام چودھری نیاز احمد

(۱۴۷) ایضاً، ص ۶۴، محررہ ۲۳ر اکتوبر ۲۰۰۶ء، بنام مختار الدین احمد

(۱۴۸) سلام و پیام- جلد اول- ص ۳۲۱، ۳۲۲، محررہ ۹ر مئی ۱۹۷۰ء، بنام پروفیسر حفیظ ملک

(۱۴۹) ایضاً، ص ۴۵، محررہ ۹ر مارچ ۱۹۸۶ء، بنام ضیا محی الدین

(۱۵۰) سلام و پیام- جلد دوم- ص ۳۷۶، محررہ ۹ر مارچ ۱۹۹۷ء، بنام بیگم رفعت مرتضیٰ

(۱۵۱) سلام و پیام- جلد اول- ص ۴۹۴، محررہ ۱۱ر نومبر ۱۹۹۵ء، بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۵۲) ایضاً، ص ۲۶۲، محررہ یکم جنوری ۱۹۷۹ء، بنام محمود میرزا

(۱۵۳) سلام و پیام- جلد دوم- ص ۹۳، محررہ ۱۲ر جولائی ۱۹۹۷ء، بنام آغا بابر بٹالوی

(۱۵۴) ایضاً، ص ۲۰، محررہ ۶ر فروری ۱۹۹۵ء، بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۵۵) ایضاً، ص ۱۹، محررہ ۲۳ر جنوری ۱۹۹۵ء، بنام ایضاً

(۱۵۶) ایضاً، ص ۲۶۲، محررہ ۱۶ر اکتوبر ۲۰۰۱ء، بنام ڈاکٹر نعمان الحق

(۱۵۷) ایضاً، ص ۲۸۴، محررہ ۱۲ر جون ۲۰۰۰ء، بنام مختار الدین احمد

(۱۵۸) ایضاً، ص ۲۱۹، ۲۲۰، محررہ ۸ر ستمبر ۱۹۹۴ء بنام مشفق خواجہ

(۱۵۹) ایضاً، ص ۲۷، محررہ ۱۲ر فروری ۱۹۹۷ء، بنام اعجاز حسین بٹالوی

(۱۶۰) ایضاً، ص ۱۰۰، محررہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۹۴ء، بنام ضیا محی الدین

(۱۶۱) سلام و پیام- جلد سوم- ص ۲۲۴، محررہ ۱۹ر جون ۲۰۰۸ء، بنام ڈاکٹر عروج اختر زیدی

(۱۶۲) سلام و پیام- جلد دوم- ص ۳۷، محررہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۸ء، بنام ضیا محی الدین

(۱۶۳) سلام و پیام- جلد دوم- ص ۸۱، محررہ ۲ر فروری ۱۹۹۶ء، ایضاً

(۱۶۴) ......ایضاً......جلد اول- ص ۸۷، محررہ یکم جنوری ۱۹۹۱ء، ایضاً

© rasailojaraid.com